Fikr-o-Nasar (Islamabad) 14:1 (1976)

اسلامی تحقیقات: دائرہ کار اور ضرورت

جسٹس (ریٹائرڈ) حمود الرحمٰن

تحقیق کا مطلب اپنے وسیع معنے میں وہ مستعدانہ تلاش و جستجو ہے جو کسی خاص موضوع کے تنقیدی اور عملی مطالعہ کے بعد کسی واقعہ یا اصول کو دریافت کرنے کے لیے کی جائے۔ یہ تعریف عموماً اس بات کو تبلاتی ہے کہ ایک محقق کو اپنی مرضی کے مطابق مآخذ کے انتخاب میں پوری آزادی حاصل ہے لیکن اسلامی تحقیق کے معاملہ میں مآخذ اور تفتیش کا دائرہ کار بالضرور کچھ محدود ہوگا۔ روایتی معنی میں اسلامی تحقیق کی تعریف اب تک یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد ایسی تحقیق ہے جس کا مقصد قرآن و سنت کی تعلیمات کو زیادہ قابلِ فہم بنانا ہو۔ چنانچہ جولائی ۱۹۶۰ء میں جب ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی قائم ہوا تو اس کے دستور کی رُو سے مندرجہ ذیل کام اس کے سپرد ہوئے:

۱۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کو عقلی اور آزادانہ فکری پیرایہ میں پیش کرنا اور منجملہ دیگر امور اسلام کے بتلائے ہوئے انسانی اخوت، رواداری اور معاشرتی انصاف کے بنیادی اصولوں پر خاص طور پر زور دینا۔

۲۔ اسلامی تعلیم کی ایسی تعبیر کرنا کہ جدید زمانہ کی عقلی اور سائنسی ترقی کے پس منظر میں اس کا تخلیقی اور فعال کردار واضح ہو سکے۔

۳۔ انسانی فکر، سائنس اور ثقافت کی ترقی میں اسلام نے جو کچھ کیا ہے اس کی اس طرح سے تحقیق کرنا کہ مسلمان ان علوم و فنون میں ممتاز جگہ لے سکیں۔

۴۔ اسلامی تاریخ، فلسفہ، قانون، فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی تحقیقات کا انتظام کرنا۔

اس کے بعد یہ خیال کیا گیا کہ اس ادارے سے جس مقصد کی تکمیل کی توقع ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک کے مسلمانوں

میں سیاسلام کی فہم پیدا کرے تاکہ ان کے سامنے ایسا مقصد موجود رہے جس میں بنیادی اصولوں اور ان پر عمل کا طریقہ کار پورے طور پر واضح ہوں اور اس کے ذہن میں تبدل اور غیر تبدل کے درمیان کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

یہ تو ۱۹۰۰ء کی بات تھی۔ لیکن اس کے بعد ہم اسلام کی بنیادی اور قابلِ عمل قدریں دریافت کرنے کے ابتدائی مراحل سے گذر چکے ہیں۔ اور اب ایسے نازک مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں جہاں ہماری بقاء کو ایک سنگین چیلنج کا سامنا ہے۔ عالم اسلام اب بیدار ہو چکا ہے اور اب اسے پوری طرح اس بات کا احساس ہے کہ اس کی نجات اس میں ہے کہ دورِ حاضر میں مغرب کے نظام فکر کے جن چیلنجوں کا اسے سامنا ہے ان سے مقابلہ کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہو۔ ہم نہ تو ان جدید قوتوں کی طرف عدم مداخلت کا اندازِ فکر اختیار کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے گریز کر کے ماضی پر قانع ہو سکتے ہیں۔ جو درحقیقت ہمارے حق میں کچھ زیادہ ہی مہلک ثابت ہوگا۔

اسلام، جیسا کہ اس پر ایمان کا ہمیں دعوٰی ہے، نہ صرف ایک آخری الہامی دین ہے بلکہ وہ ایک مکمل دین ہے اور اس نے ہمیں جو عالمگیر اصول سکھائے ہیں ان میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ تمام علاقوں کے تمام لوگوں اور آنے والے تمام زمانوں کے لیے رشد و ہدایت کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مستقبل میں ہر پیش آنے والے مسئلہ کے بارے میں ان کے وقوع سے پہلے ہی قرآن و سنت میں واضح احکام موجود ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ پیش آنے والا مسئلہ جو کسی نوعیت کا بھی ہو خواہ اقتصادی ہو یا سماجی و ثقافتی ہو یا سیاسی، اسے قرآن و سنت کے بتائے ہوئے بنیادی اصولوں کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام ہی سے نئے عوامل اور معاشرہ پر نئے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے قرآنی تعلیمات و سنت نبوی کی تخلیقی تشریح و تعبیر کی کوششیں کی گئیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وسیع پیمانہ پر فتوحات کے نتیجہ میں بڑے بڑے سیاسی و معاشرتی مسائل پیدا ہوئے اور اس سلسلہ میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر انتہائی موثر لیکن تخلیقی انداز میں عمل کیا۔ تاکہ معاشرتی انصاف کے قیام اور اسلامی قدروں کی حفاظت کے لیے ان اداروں کو موزوں وسائل کے طور پر استعمال کر سکیں۔ ان کو اعلیٰ معیار اور عظیم نصب العین سمجھا گیا۔ جن پر بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کی روشنی میں دانشمندانہ تطبیق کے ذریعے بتدریج عمل کیا جا سکے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام کا مقصد ایک صحت مند، ترقی یافتہ، اخلاقی اور متحرک معاشرتی نظام کا

قائم ہے۔ جو انصاف، تعاون، اخوت اور مشترک اجتماعی فلاح کے لیے ذاتی قربانی کے اصولوں پر مبنی ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایسے موثر ادارے قائم کیے جائیں جو ہماری قدروں اور نصب العین کو بروئے کار لانے کے لیے مناسب طور پر رہنمائی کر سکیں۔ نیز ان سنگین خطرات کی تشخیص کر سکیں جو ایک طرف اباحتی مغرب کے صنعتی نمونہ کے معاشرے اور دوسری طرف سخت سیاسی جکڑ بندیوں کے حامل اور ایسے اشتراکی نمونہ کے معاشرے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں جس میں اصول و عقائد پہلے ہی سے ذہنوں میں بٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ایسا معاشرہ تعمیر کریں جس کی ان مقاصد کی طرف رہنمائی کی گئی ہو جو اسلام کا مقصود ہیں، تو یہ ہے وہ کام جسے آپ کے ادارہ کو اپنا مقصد بنا کر سرانجام دینا چاہیئے۔

اس اصول کو اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انسانوں کے درمیان جوہری مساوات اسلامی تعلیمات کا سب سے بنیادی امتیازی وصف ہے لیکن جو بات اب تک عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس مساوات کا حقیقی مشمول اور نوعیت کیا ہے کیا اس سے مراد صرف معاشرتی ناہمواریوں کو ختم کرنا ہے یا اس کا دائرہ اس حد تک وسعت پذیر ہو سکتا ہے جسے آج کل مساویانہ مواقع فراہم کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام ایسی صورتِ حال کا تصور بھی نہیں کرتا جس میں افراد کو چند مراعات دے کر چھوڑ دیا جائے یہ "زندہ رہو، اور زندہ رہنے دو" کی پالیسی پر ہی بس نہیں کرتا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں ہر فرد مثبت طور پر شریک کار ہو تاکہ اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات فراہم کی جا سکیں۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو غلام آزاد کرنے، قحط کے زمانہ میں کسی قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے (۹۰ ، ۱۲ - ۱۸ - سورۃ البلد) جو شخص اس حکم پر عمل نہیں کرتا۔ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے تندہی سے کوشش کرنے کا نام دین ہے۔ اس حدیث سے صراحتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص سرگرمی کے ساتھ یا مثبت طور پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں تعاون نہیں کرتا۔ وہ دین سے محروم ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ راستہ سے ہٹ گئے ہیں یا اپنے فرائض کی انجام دہی سے غافل ہو گئے ہیں تو کیا اربابِ اقتدار (اولی الامر) کو یہ حق حاصل ہے کہ ان کے معاملہ میں مداخلت کرے اور اگر ضرورت ہو تو طاقت کے ذریعے، ورنہ قانون سازی

کے ذریعے ان سے اطاعت کرائے اور اس طرح ایک صحیح مثالی معاشرتی ڈھانچہ قائم کرنے کے لیے مناسب قدم اٹھائے۔؟

اب تک میں نے جو کچھ کہا ہے آپ نے بلاشبہ اس سے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ میں یہ خیال ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اسلامی تحقیقات کا دائرہ کار صرف اسلام کی ٹھوس علمی و سائنسی تعبیر تک محدود نہیں، بلکہ اس کی وسعت ایسے بنیادی اصولوں کی دریافت تک ہونی چاہیے جو ان مسائل کے حل کرنے میں مددگار ثابت ہوں جن کا مسلمانوں کو دورِ حاضر میں سامنا ہے اس مرحلہ پر یہ بات مجھے پورے طور پر واضح کر دینا چاہیے تاکہ اس معاملے میں کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے، کہ میں کسی طرح بھی یہ مشورہ نہیں دے رہا کہ دین کو کسی نئی سمت میں پہنچانے کی کوشش کی جائے بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کو اجتہاد کی بنیاد رکھنے کی ابتداء کر دینا چاہیے۔

انسانی معاشرہ پر تاریخ کی تیز رفتاری کے ہمہ گیر اثرات کے وسیع تر مسئلہ کو ہم یہاں نہیں چھیڑتے تاہم یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان معاشروں پر اس نے جو ایک عظیم اثر چھوڑا ہے اس کے نتیجہ میں دورِ جدید کے مسلمان ایسے وسائل اور طریقے معلوم کرنے میں ہمہ وقت مشغول ہیں جن سے وہ اپنی ثقافتی جڑوں کو باقی اور قائم رکھ سکیں۔

مغرب میں خاص خاص تاریخی تبدیلیوں سے فرد کی ذمہ داری میں اضافہ ہوا جو اقتصادی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی طریقۂ عمل میں اس کے اجتماعی شرکت کے نتیجہ میں وجود میں آیا۔ لیکن اسلام نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے اور بہت سے مذاہب میں اس بات پر اتنا زور نہیں دیا گیا، کہ ایک متدین آدمی کا تعلق معاشرہ کے اداراتی ڈھانچہ کے ساتھ ہونا چاہیے اس لیے دینی احیاء سے یقینی حد تک یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہی سب سے اچھا طریقہ ہے جو عصرِ جدید میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے پورے سلسلہ کو اپنی گرفت میں لے سکتا ہے، بشرطیکہ یہ احیاء دورِ حاضر کی جدیدیت کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کر دے۔ یہ ہے وہ ضرورت جس کو میری ناقص رائے میں اسلامی تحقیق کو پورا کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ ہمارے ورثہ کی عظمت و شان موجودہ حالات میں ذاتی تشخص کے ذریعے عصرِ حاضر کی زبان میں از سرِ نو تعمیر کریں۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مقصود جمود نہیں تھا۔ بلکہ انھوں نے ہمارے سامنے ایسے اعلیٰ معیار اور نصب العین پیش کئے جو گوناگوں معاشرتی فضا اور مختلف سماجی مراحل سے گذر کر بتدریج عمل پذیر ہوں گے، ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ جو تمام زمانوں اور مکانوں میں تمام لوگوں کے لیے

موزوں ہے اگر یہ امر واقعہ ہے تو اس میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیے کہ یہ خود عمل پذیری کی نئی نئی شکلوں کو جنم دے سکے۔ اس لیے اس سماجی انصاف کی اسلامی قدروں کی منتقلی اور اشاعت کی غرض سے اس کے معاشرتی اداروں کو مناسب ذرائع کے طور پر استعمال کرنا ہوگا۔

ہمارے اسلامی تحقیقات کے اداروں کے سامنے ایک دوسرا کام یہ بھی ہے کہ عقلی نظام ہائے فکر کو اس طرح پیش کریں کہ ہم غیر مسلموں کو بھی اپنے ان نظام ہائے فکر کی فطری برتری سے مطمئن کر سکیں۔ ہمیں دوسرے فکری نظاموں کے طرف داروں کی طرف سے زبردست چیلنج کا سامنا ہے اور جب تک ہم اس چیلنج کا موثر انداز میں مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتے ہم ہلاکت کے خطرے سے نہیں نکل سکتے۔ ایک طرف ہمیں جدلی مادیت، میکانکی ارتقاء اشتراکیت (سوشلزم)، اور شیوعیت (کمیونزم) کے نئے نئے فلسفوں کے مغالطوں کی قلعی کھولنا ہوگی، اور دوسری طرف ایک محقق کو چاہیے کہ وہ دور حاضر کے صحیح فلسفیانہ مطمح ہائے نظر کی روشنی میں اسلام کی ایسی تشریح و توضیح کرے کہ غیروں کی نگاہ میں وہ اس کو عقلی طور پر زیادہ مستحکم، قابلِ اطمینان، اور جاذب نظر بنا سکے۔ اس طرح اسلامی تحقیق نہ صرف خس و خاشاک کی صفائی کرے گی بلکہ قرآن و سنت کی ابدی صداقتوں کو نئی تکنیک کے ساتھ آگے بڑھائے گی۔

ہمیں جن مسائل کا سامنا ہے وہ اپنی نوعیت اور تعداد کے لحاظ سے بے شمار ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ معاشرتی انصاف ہی اسلام کا بنیادی اصول ہے لیکن کیا ہم پوری تفصیل کے ساتھ پر زور طریقہ پر یہ بات کہتے ہیں کہ یہ اپنے مشمول و معنی کے لحاظ سے اشتراکیت (سوشلزم) سے زیادہ وسیع ہے، کیونکہ اسلام کے تقاضے اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک ہر قسم کے استحصال کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ وہ استحصال خواہ روحانی ہو یا معاشرتی و اقتصادی یا سیاسی؟

سماجی و سیاسی شعبہ میں قرآن کا تصور انتظام حکومت، جو آزادانہ شرکت، مساویانہ باہمی اشتراک عمل اور شوریٰ پر مبنی ہے، ہر قسم کے ظلم و استبداد کا مخالف ہے۔ اگر صورت یہی ہے تو خلافت کا ادارہ اس ترتیب میں کہاں تشکیل پاتا ہے؟ کیا یہ تصور اس قابل ہے کہ اس کو جمہوری شکل دی جا سکے؟

اسلام میں خلیفہ اوّل نے اپنے انتخاب کے بعد یہ کہا تھا:۔

تم نے مجھے اپنا قائد بنایا ہے حالانکہ مجھے تم پر کسی طرح بھی برتری حاصل نہیں ہے جب

میں صحیح راستہ پر چلوں تو تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ جب غلطی کروں تو مجھے ٹھیک کرو۔ اور جب تک میں خدا اور رسول کے احکام کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہو جب میں اس راستہ سے ہٹ جاؤں تو تم بھی مجھ سے روگردانی کرو۔"

کیا اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اسلامی سلطنت میں جس شخص کے ہاتھ میں زمامِ اقتدار دی جاتی ہے وہ بھی قانون کے تابع ہوتا ہے اور اسے خصوصی مراعات، ذاتی حقوق یا استثناء حاصل نہیں ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسے اپنے برابر کے لوگوں میں پہلا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن وہ لوگوں کے سامنے ہر معاملہ کے بارے میں جواب دہ ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال میں یہ الزام کہ جمہوریت کا تصور اسلام سے علیحدہ کوئی چیز ہے محض افترا اور بہتان ہے اور اس کے بطلان کو ہمیں ٹھوس علمی و سائنسی تحقیق کے طریقہ سے واضح کرنا ہوگا اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا میں خدا کے حاکمِ اعلیٰ ہونے کا تصور اور اس کے نتیجہ کے طور پر یہ اصول کہ حکومت ایک امانت ہے۔ اور یہ کہ انتظامِ حکومت کا مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود ہے ہمیں ان تمام مسائل کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش کرنی ہوگی۔

" مغربی دنیا کا یہ دعویٰ ہے کہ معاہدہ عمرانی کا تخیل جو روسو نے پیش کیا۔ مغرب کی ایجاد ہے۔ اسلامی تحقیق دنیا کو یہ بتائے کہ اس تخیل نے بہت پہلے اسلام میں جنم لیا۔ قرآن کریم کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے واضح طور پر ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دفاع، ترقی اور سماجی بہبود کے فرائض معاشرہ کو مجموعی طور پر خود انجام دینا ہیں۔ لیکن یہ کام حکومت کی نگرانی، کنٹرول اور چند اداروں کے توسط سے انجام پائے گا۔ یہ ادارے کیا تھے۔ اور انھوں نے کس طرح کام کیا۔ ان سب چیزوں کی دریافت آپ کا کام ہوگا۔ علمی دلائل سے آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حکومت کا ادارہ فی نفسہٖ ایک حقیقی جمہوری طریقِ عمل اور معاہدہ عمرانی کا نتیجہ ہے جس میں ایک خلیفہ لوگوں سے بیعت لے کر قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے کا عہد کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ اپنی اطاعت کے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

اس طرح اسلام نے فقر، افلاس اور حاجت کے استیصال کو بہت اہمیت دی ہے اور قرآن مجید میں

بار بار اس تصور پر زور دیا گیا ہے کہ دولت اللہ کا فضل ہے اس لیے یہ ایک امانت ہے جسے اس کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق خرچ کرنا ہے۔ ان سب امور کی وضاحت؛ ان کی لازمی تصریحات کے ساتھ کرنا ہمارا فرض ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ خیر و فلاح کے کام کریں اور ان فلاحی کاموں کے لیے جتنی دولت درکار ہو پیدا کریں۔ اجتماعی فلاح کے فروغ کے لیے محض ایک ذریعہ سمجھنا پڑے گا۔ یہ بات ہمیں لازمی طور پر سماجی اصلاح کے مسئلہ کی طرف لے جائے گی اور ہمیں اس کی ان سمتوں کی طرف متوجہ کرے گی جو ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے اسے اختیار کرنا چاہیے جو قرآن و سنت کی منشا کے مطابق ایک ترقی پسند معاشرتی نظام کی تعمیر میں انسانی قوتوں کو مکمل طور پر عملی جامہ پہنانے کے لیے ضروری ہیں۔ آپ نے جب ایک بار رُخ متعین کر لیا تو اس مقصد کے حصول کے لیے طریق کار خود بخود آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ اور اپنے قابلِ عمل اور پسندیدہ ہونے کی مکمل تصویر آپ کے سامنے رکھ دے گا۔ کچھ اصلاحات تو نافذ ہو چکی ہیں اور مزید کا مطالبہ ہے اب یہ محققین کا فرض ہے کہ وہ بتلائیں کہ یہ اسلام کے ظاہری احکام اور ان کی روح کے کہاں تک مطابق ہیں۔

میرا ارادہ ان موضوعات کی درجہ بندی کرنے کا نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں پہلے ہی بہت معروف ہیں۔ میں جس چیز کو واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کی تحقیق کا رخ سماجی سرگرمیوں کی تقریباً ہر شاخ کی طرف ہونا چاہیے جیسے سیاسیات، اخلاقیات، تعلیم، فن، اقتصادیات، تاریخ اور قانون آپ کے کام صرف مسلمین کو اپنے دائرہ میں گمراہ ہونے سے بچانا ہی نہیں ہے بلکہ ایک غیر مسلم مصلح کو بھی اس طرح تعلیم دینا ہے کہ ہم اپنے تصورات کی برتری کو سائنسی بنیاد پر اس کے ذہن نشین کرا سکیں۔

میں اس بات سے بے خبر نہیں ہوں کہ اجتہاد کا یہ اہم کام بچوں کا کھیل نہیں ہے کیونکہ آج تک اس سلسلہ میں جو کام بھی ہو چکا ہے نہ صرف اس کا محیط علم درکار ہے بلکہ اس کے لیے اصول و مبادیات دین میں گہری نظر کی بھی ضرورت ہے جیسے اس کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی ترقیات کا علم ہونا بھی ضروری ہے اگر ہم خود کو تباہی سے بچانے کے لیے اپنے تیزی سے بڑھتے ہوئے زوال کو روکنا چاہتے ہیں تو ہمیں کہیں نہ کہیں سے کام کا آغاز ضرور کرنا ہوگا۔

جب ہم اصلاحات کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں تو اس سلسلہ میں میرے ذہن میں ایک خاص

موضوع ہے جس کے متعلق میں آپ کی اجازت سے چند کلمات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس مسئلہ کا تعلق عدلیہ کی اصلاح سے ہے۔ اس شعبہ میں اصلاح کی ضرورت سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ معاملہ اب کافی اہمیت حاصل کر چکا ہے اور اس کو تمام متعلقہ اشخاص حقیقی طور پر محسوس کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کی طرف بدقسمتی سے ابھی تک زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس کا سبب شاید ماخذ کی کمی ہو سکتا ہے لیکن اس موضوع پر میں نے جو مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ متمدن عدلیہ کا نظام شاید خود مسلمانوں کا حصہ ہے جو دنیا کو انہوں نے دیا ہے۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہی پہلی مرتبہ عدلیہ کو انتظامیہ سے ریاست کے ایک عضو کی حیثیت سے علیحدہ کیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے قاضیوں کے نام جو ہدایات جاری کی تھیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں یہ احکام دیئے گئے تھے کہ وہ فریقین کے بیان سن کر اور عدالتی کارروائی کے بعد فیصلہ دینے کے اصول (AUDI ALTERAM PARTEM) پر سختی سے عمل کریں اور غیر مشتبہ شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دیں اور جن مسائل کے بارے میں قرآن مجید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں کوئی حکم موجود نہ ہو، وہاں قانونِ فطرت یا نصفت پر عمل پیرا ہوں۔ یہ اصول کہ شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا۔ اسلامی قانون کا ہی اصول ہے لیکن جو چیز ہمیں معلوم نہیں وہ یہ ہے کہ آیا ان کے پاس ضابطہ بندی (طریق کار) سے متعلق کوئی مفصل مجموعہ قوانین موجود تھا یا نہیں اگر تھا تو اب یہ آپ کا کام ہوگا کہ اس قانون ضابطہ کی تفصیلات بتلائیں جس پر اس وقت عمل ہوتا تھا۔ تاکہ اس جانب بھی اصلاحی قدم اٹھایا جا سکے۔

ان کلمات کے ساتھ میں اپنے خطاب کو ختم کرتا ہوں لیکن ختم کرنے سے پہلے ایک بار پھر میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ظہورِ اسلام کے وقت جو دنیا کی حالت تھی۔ قرآن مجید نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ (۳۰ : ۴۱ - الروم)

خشکی اور تری میں جو لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا۔ ایک عیسائی مورخ سر ولیم میور کئی صدیوں بعد لکھتے ہوئے اس حالت کو اس طرح بیان کرتا ہے :-

"ساتویں صدی کی عیسائیت خود کمزوری اور بگاڑ کا شکار تھی۔ متحارب فرقوں نے اپاہج کر دیا تھا اور عصرِ اوّل کے پاکیزہ اور وسعت پذیر دین کی جگہ طفلانہ توہمات نے لے لی تھی۔"

یورپ کا ایک دوسرا ناقد جے. ایچ. ڈینی سن اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

" ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمدن جس کی تعمیر چار ہزار سال میں ہوئی تھی تباہی کے دہانہ پر کھڑا ہے اور دنیا مکمل تاریکی اور بربریت کے دور کی طرف لوٹنے والی ہے "

اس وقت جبکہ صورتِ حال ایسی سنگین ہو چکی تھی، ایک مصلح (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوا جس نے دنیا کو نہ صرف توحید سے متحد کر دیا اور اس کو ہلاکت سے بچا لیا بلکہ انسانیت کو ایک ترقی پسندانہ، مساویانہ باخیر اور نفع بخش معاشرہ کے ساتھ مربوط کر دیا۔ جو صداقت، دیانت اور انصاف کے اصولوں کے لیے وقف تھا۔ اسی پر بس نہیں اس کی مکمل تعلیمات نے مسلمانوں کو اس سے کہیں زیادہ حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔ وہ دنیا کے تمام علوم و فنون کے مالک بن گئے اور درحقیقت انہوں نے تمدن کو دنیا کے لیے زندہ رکھا۔

اگر یہ سب کچھ تیرہ سو اور کچھ اوپر سال پہلے ہو سکتا تھا تو اب دوبارہ کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ دنیا اس سے کہیں زیادہ جنگ و جدال، بغض و عناد اور نفرت و عداوت کا شکار ہے۔ کیا ان کی تعلیمات کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ؟ یہ ہے وہ سوال جس کا جواب آپ کی تحقیق کر دینا ہوگا۔ اور ان لوگوں کے راستہ کو دوبارہ روشن کرنا ہوگا۔ جو اس شکوک و شبہات سے بھرپور دنیا کے چیلنج کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدا اس عظیم کام میں آپ کی مدد کرے۔ جیسا کہ اس نے قرآن مجید میں وعدہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اقوام عالم تک پیغام الٰہی پہنچانے میں بھرپور کوشش کرتے ہیں ـــــ آمین ـــــ

(یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے یوم تاسیس کے موقع پر پڑھا گیا)